مسلمان معالج: ذمہ داریاں اور تقاضے

ڈاکٹر محمد عبدالمنعم فاروقی ○

طب وصحت کی اپنی ایک دنیا ہے۔ امراض کی تشخیص' ان کا علاج' مختلف ذہنی وجسمانی معذوروں سے تعامل اور ان کی بحالی' اور پھر اس سارے عمل کے دوران حاصل ہونے والی معلومات اور تجربے اور پھر ان کی روشنی میں بیماری سے بچاؤ کی تدبیریں ___ ہر ہر چیز اپنی جگہ ایک موضوع ہے۔ اس شعبے کا براہ راست تعلق انسانی زندگی سے ہے۔ اس کا ایک ذیلی شعبہ' جس کی اہمیت ہر معاشرے بالخصوص مسلم معاشرے میں بہت زیادہ ہے' وہ طبی اخلاقیات اور قانونِ طبی ہے۔

جیسے ہی کوئی بیمار ہو یا اسے کسی اور وجہ سے کسی طبی ادارے سے سابقہ پیش آ جائے' اخلاقیات سے متعلق معاملات و مسائل شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ہر شخص کو طب اور طبیب سے کچھ نہ کچھ واسطہ بھی رہتا ہے' مگر اس شعبے کا اخلاقی' قانونی یا فقہی رخ عموماً نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ شاید یہی ہے کہ گریجویشن کی سطح تک جو بنیادی طبی تعلیم دی جاتی ہے وہ سیکولر ہوتی ہے۔ پھر اس پر مستزاد غیر ملکی زبان ہے' جو طلبہ کے قلب و روح میں راسخ مذہب' معاشرے اور ثقافت کے اثرات کو مسخ کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج بھی دنیا کی اُن چند قوموں میں سے ایک ہیں جن کے لیے اپنی زبان میں تعلیم ایک عار ہے۔

اخلاقی و قانونی اہمیت

دین اسلام میں علاج معالجے اور اس کے اخلاقی و قانونی پہلو کی اہمیت' قرآن مجید کی ذیل کی آیات' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث اور کچھ فقہی آرا سے واضح ہوتی ہے:

○ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط (المائدہ ۵:۳۲) اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

قرآن مجید کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ:

○ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس ۱۰:۵۷) اے لوگو تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری سے شفا کو رب العزت کی نعمت قرار دیا کہ:

○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعرا ۲۶:۸۰) اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ امراض سے شفا بھی تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امراض و تکالیف سے لڑنے اور علاج و اسباب کو اختیار کرنے پر زور دیا' تا کہ مسلمان جسمانی، قلبی اور روحانی طور پر صحت مند رہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی چند احادیث حسب ذیل ہیں:

○ حضرت جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

ہر مرض کی دوا موجود ہے' جب مرض کا علاج ہو جائے تو اللہ کے اذن سے وہ مرض ٹھیک ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

اس حدیث میں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ امراض کے لیے دوا موجود ہے۔ اسے استعمال کرو' مگر یقین یہی رکھو کہ شفا تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

فقہا میں سے امام شافعیؒ طب کے بارے میں حساس معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے چند فرمودات حسب ذیل ہیں:

○ علم دو قسم کا ہے (اِنَّمَا الْعِلْمُ عِلْمَانِ ، عِلْمُ الْاَدْيَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ) علمِ دین اور علمِ دنیا۔

علم کی جو شاخ' دین سے متعلق ہے وہ تو فقہ ہے' اور جسموں کا علم طب ہے۔

○ فرائض و واجبات اور حلال و حرام سے واقفیت کے بعد طب سے بہتر کوئی علم نہیں' مگر اہل کتاب اس ضمن میں ہم سے سبقت لے چکے ہیں۔ ایک تہائی علم ہم سے چھن چکا ہے اور وہ یہود و نصاریٰ کے حوالے ہو گیا ہے۔ (آداب الشافعیؒ ومناقبه للرازیؒ)

اس بارے میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ امراض سے واقفیت اور ان کے علاج میں مہارت حاصل کرنا'

مسلمانوں کے تمام معاشروں کے لیے ضروری ہے۔ البتہ علما نے اسے فرضِ کفایہ قرار دیا ہے کہ اگر بقدرِ ضرورت چند افراد اس فن میں ماہر موجود ہوں تو بقیہ معاشرے پر سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ علاج معالجہ تو زیادہ بڑی بات ہے' اسلام میں فقط مریض سے ملاقات کرنے کا بھی بڑا اجر ہے۔ فرمان رسولؐ ہے: صبح کے وقت ایک مسلمان سے صرف ملاقات و عیادت کرنا' شام تک کے لیے ہزاروں فرشتوں کی دعا کا مستحق بنا دیتا ہے' اور اسی طرح شام کے وقت کسی کو جا کے ملنا صبح تک کے لیے یہی انعام دلواتا ہے اور پھر اسی پر بس نہیں' بلکہ جنت میں مزید انعام کا وعدہ بھی ساتھ ہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔(احمد)

ظاہر ہے عمومی اخلاق ہی شخصیت کی تکمیل میں اہم عنصر ہوتے ہیں۔ لیکن اطبا میں یہ اضافی خوبیاں بھی مطلوب ہیں: ○ مریض سے نرمی و شفقت ○ ان کے رازوں کی حفاظت ○ بدنظری سے پرہیز ○ انھیں منشیات نہ دینا ○ جنسی عدم توازن سے پرہیز ○ تکبر اور بڑے پن سے اجتناب۔

امام رازیؒ کہتے ہیں کہ طبیب کو لوگوں کا رفیق ہونا چاہیے اور رازوں کا چھپانے والا بھی اگرچہ کہ انھی کی خدمت کی ہو۔ کیوں کہ طبیب کو لوگوں کے ان رازوں سے واقفیت ہوتی ہے جنھیں وہ اپنے قریب ترین اعزا سے بھی چھپاتے ہیں۔ امام صاحب مزید فرماتے ہیں کہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کسی مریض کو شدید مرض سے شفا ہو جاتی ہے تو بعض اطبا میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی بات چیت کا انداز کرخت ہو جاتا ہے۔ جب حقیقتاً ایسا ہی ہو تو جان لو کہ وہ شخص بنیادی انسانی اخلاق سے محروم ہے۔ اس فن کے لوگوں کے لیے خوش اخلاقی ہی لازمی اور بنیادی خوبی ہے۔ مزید یہ کہ طبیب کو محنت سے تشخیص اور علاج کرنے کے باوجود شفا کے لیے بھروسا' اپنی مہارت پر نہیں بلکہ صرف اللہ کی ذات پر کرنا چاہیے۔(البرازیؒ، اخلاق الطبیب)

غیر محرموں پر ''نظر'' اور ''مَس'' کا معاملہ بھی اسلام کے نزدیک اہم ہے۔ بنیادی حکم اس معاملے میں یہی ہے کہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور ۲۴:۳۰)

اور مومنین سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچائے رکھیں۔

یہی حکم عورتوں کے لیے بھی ہے۔ اسی لیے علما نے علاج کے سلسلے میں بھی ترتیب یہی بتائی ہے کہ مسلمان خاتون کا علاج مسلمان طبیبہ کرے۔ اگر وہ میسر نہ ہو تو طبیبہ کتابیہ ورنہ پھر طبیبہ کافرہ۔ اگر کوئی خاتون طبیبہ موجود ہی نہ ہو تو

پھر مسلمان طبیب اور اس کی عدم موجودگی میں کافر طبیب۔ مسلمان طبیب کے لیے اس سلسلے میں آداب یہ بتائے گئے ہیں کہ وہ فقط حسبِ ضرورت ہی معائنہ کرے اور وہ بھی عورت کے محرم کی موجودگی میں' اور مس کرنا ضروری نہ ہو تو مَس نہ کیا جائے' اور جب ضروری ہو تو دستانے وغیرہ پہن کر ہی ہو۔

طب کے اخلاقی پہلو کے ساتھ ساتھ' اس کا قانونی و فقہی پہلو بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایک طبیب کو علاج معالجے کے ساتھ ساتھ عبادات اور دینی امور کے علاوہ' روزمرہ معاملات میں بھی اہم فقہی و قانونی مشورے دینا ہوتے ہیں اور یہ پہلو عام طور پر معالج سے اوجھل رہتا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل دی جارہی ہے تاکہ اطبا حضرات اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کے دوران اسے ملحوظ رکھیں۔

مسلمان طبیب کے لیے لازمی صفات

۱- اللہ کا تقویٰ ۲- اخلاص ۳- فقہی امور سے واقفیت ۴- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ۵- امانت ۶- حسنِ اخلاق۔

ہر مسلمان طبیب کو یاد رکھنا چاہیے کہ کام تو صرف اللہ کی مرضی سے پورا ہوگا۔ شفا صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے' نہ طبیب کی حذاقت میں نہ دوا کے کمال میں۔ یہی تقویٰ اسے غیرضروری اور غیراخلاقی حرکات سے روک سکتا ہے اور یہی تقویٰ اور خدا خوفی' اسے دواساز اداروں کے اشتہارات کا حصہ بننے سے بچاسکتی اور ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے باز رکھ سکتی ہے۔

طبیب جس قدر اپنے علم و فن اور اپنے مریض سے مخلص ہوگا اتنا ہی اس کی کامیابی کا امکان اور آخرت میں اس کے لیے اجر کا موقع ہے۔ فقہ سے واقفیت اس شعبے کی خصوصی ضرورت اور اطبا سے مطلوب اہم صفت ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں حکم دیا تھا کہ لَا یَبِیْعُ فِیْ سُوْقِ الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ لَا یَفْقَهُ اَحْکَامَ الْبُیُوْعِ ،مسلمانوں کے بازاروں میں وہ لوگ کاروبار نہ کریں جنھیں خرید و فروخت کے احکام معلوم نہ ہوں۔ اس قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے میں ایسے طبیب نہیں ہونا چاہییں جنھیں متعلقہ اصول و قواعد معلوم نہ ہوں۔

شریعت کے احکام عموماً واجب' مستحب' مکروہ' حرام اور مباح کی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔ پھر حالتِ اضطرار کے احکام الگ تفصیل رکھتے ہیں۔ دواؤں اور علاج کے سلسلے میں بسااوقات ایسی صورت بھی درپیش ہوتی ہے کہ فوری فیصلہ درکار ہوتا ہے۔ یہاں وہ معاملات بھی سامنے آتے ہیں جنھیں براہِ راست قانونِ طبی (medical jurisprudence) سے واسطہ ہوتا ہے یعنی کس معاملے میں طبی بنیاد پر' کس قدر سہولت و

رعایت یا سزا و جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حالتِ مرض کا اکثر اوقات عبادات سے تعلق ہوتا ہے' اور اسی وجہ سے طبی مسائل دو قسم کے ہوسکتے ہیں: ۱-عبادات اور دینی امور سے متعلق ۲-معاملات سے متعلق۔

عبادات و امور دینی میں طبی رائے

دورانِ حمل (fetal stage) سے موت تک مسلسل' ہر انسان کا طب کے شعبے سے واسطہ رہتا ہے۔ اس لیے زندگی میں بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں جہاں طبیب کی رائے ضروری ہوجاتی ہے' مثلاً مختلف عبادات وذمہ داریوں کی ادایگی میں سہولت اور تخفیف کے لیے۔ معاملہ چونکہ عبادات سے متعلق ہے اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ شرائط ذکر کردی جائیں جن کا طبیب میں پایا جانا ضروری ہے۔ جس کے بعد ہی اس کی رائے قبول کی جاسکتی ہے۔

امام نوویؒ تیمم کی رخصت دینے کے لیے طبیب میں ان صفات کی موجودگی لازمی قرار دیتے ہیں: طبیب مسلم' ماہر' نیک و صالح ہو۔ اگر اس میں یہ صفات موجود نہ ہوں تو اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے واضح ہوا کہ عبادات کے معاملے میں طبیب کی رائے اسی وقت قبول کی جائے گی' جب کہ وہ مسلم ہو اور مزید یہ کہ عادل ہونے کی شرط' جب اسلام کے ساتھ ملا کر دیکھی جائے تو خود بخود یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسے فقہ اسلامی سے ضروری واقفیت بھی ہونی چاہیے اور اس کا خود اُس پر عمل پیرا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہوگا' ورنہ جسے اعمال کی بنیاد پر جزا و سزا کا یقین و ایمان حاصل ہو' پھر وہ عاقل ودُور اندیش بھی ہو تو پھر اُس کے لیے بے عمل ہونا محال ہی ہوتا ہے۔

○ **رائے بسلسلہ طہارت و تیمم:** غسل اور وضو اگر واجب ہو تو حالتِ اضطرار میں تیمم ان کا قائم مقام بن سکتا ہے بشرطیکہ پانی استعمال کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہو' زخم مندمل ہونے کی رفتار سست ہوجانے کا ڈر ہو۔ یہ رائے امام شافعیؒ اور شوافع میں سے شمس الدین رملیؒ کی بھی ہے' اس اضافے کے ساتھ کہ اپنے ذاتی تجربے پر بھروسا نہ کیا جائے (نہایۃ المحتاج)۔ مگر ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے ہے کہ مریض اپنے گذشتہ تجربے کی روشنی میں بھی' پانی کا استعمال کرنے کے بجائے تیمم کرسکتا ہے بالخصوص جب کہ طبیب موجود نہ ہو۔

○ **جبیرہ پر مسح:** جبیرہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو ہڈی وغیرہ کے ٹوٹ جانے پر زخمی حصے کو باندھ کر رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے: میرے بازو (کلائی سے اوپر) کی ہڈی ٹوٹ گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ "جبیرہ" پر مسح کرلو۔ (ابن ماجہ)

احناف میں سے ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ اگر زخم پر مسح کرنے سے نقصان ہوتا ہو تو "جبیرہ" پر مسح جائز ہے' اور

اگر مضر نہ ہو تو ناجائز۔(شرح فتح القدیر)

○دورانِ نماز ترکِ قیام :فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اگر مریض کھڑا ہونے سے عاجز ہو یا کھڑا ہونے سے شدید مشقت ہو یا زخم مندمل ہونے میں تاخیر ہوسکتی ہو تو نماز میں کھڑا ہونا ضروری نہیں لیٹ کر یا بیٹھ کر حسبِ ضرورت نماز پڑھی جاسکتی ہے اور اس صورت میں ان شاء اللہ ثواب میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:اگر بندہ مریض یا مسافر ہوجائے تو اس کے لیے وہی کچھ لکھا جاتا ہے جو صحت منداور مقیم ہونے کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔

یہاں وہ مسائل بھی سامنے آتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی صورت میں سجدہ کیسے کرے اور لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں قبلہ رخ ہونے کی کیفیت کیا ہو؟ ان جیسے معاملات کا علم ایک مسلمان طبیب کو لازماً ہونا چاہیے۔

○نمازِ جمعہ:فقہا اس بارے میں بھی متفق ہیں کہ مریض پر جمعے کی نماز میں شرکت ساقط ہوجاتی ہے۔اگر مسجد جانا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو یا شدید کمزوری یا بڑھاپا ہو یا مسجد تک جانا زخموں کے اندمال میں رکاوٹ ہو۔اصلاً یہاں بھی طبیب کی رائے کی تقریباً ویسی ہی اہمیت اور گنجایش ہے جیسی غسل/وضو کے بجائے تیمم کے معاملے میں تھی۔

○رمضان کے روزے :قرآن مجید میں فرمانِ الٰہی ہے:وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط(البقرہ ۲:۱۸۴)''اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے''۔فقہا میں اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ مرض روزے میں تخفیف کا سبب ہے۔اس معاملے میں ضابطہ یہ ہے کہ مرض ایسا ہو جس میں روزہ رکھنے سے شدید ضرر کا اندیشہ ہو یا زخم بھرنے میں دیر ہوجانے کا ڈر ہو یا کسی عضو میں تکلیف کا خطرہ ہو۔لیکن اگر ایسے امراض ہوں جن پر روزے رکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مثلاً جوڑوں کا درد انگلیوں میں تکلیف یا پھوڑا پھنسی وغیرہ تو ایسی صورت میں روزہ چھوڑنا مباح نہیں ہے اور مشتبہ معاملوں میں سابقہ تجربے یا ماہر مسلم طبیب کی رائے پر اعتماد کرنا ہوگا۔(ابن عابدین' ردالمختار' امام نووی' المجموع بشرح المہذب' ابن قدامہ' المغنی)

○خواتین کے لیے روزوں میں رعایت :حاملہ خاتون اور شیرخوار بچوں کی ماں' یہ دونوں صورتیں روزہ چھوڑ دینے کے لیے کافی عذر ہیں۔بشرطیکہ روزہ رکھنے سے ماں یا بچے کے لیے کسی نقصان کا اندیشہ ہو۔یہ خوف فقط خیال یا وہم پر مبنی نہ ہو' بلکہ ظنِ غالب ہو یا پچھلے تجربے کی بنیاد پر ایسا کیا جائے' یا ماہر مسلمان طبیب کی رائے ہو۔(ابن عابدین' رد المختار' الزحیلی' وھبۃ الزحیلی)

یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ جدید طبی تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ مجرد حمل یا دودھ پلانے کا عمل، دونوں کسی عام خاتون میں روزہ رکھنے سے متاثر نہیں ہوتے۔

یہ وہ چند اہم روزمرہ معاملات ہیں جن میں طبی رائے اثر انداز ہوتی ہے اور جب تک رائے دینے والے کو خود ان کی اہمیت کا صحیح شعور نہیں ہوگا ظاہر ہے وہ ان سب باتوں سے لاپروائی برتے گا۔ اسی لیے مسلمان طبیب کے لیے کم از کم فقہ کے متعلقہ امور سے واقفیت پر بار بار زور دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے عبادات اور امور دینی میں غیر مسلم طبیب کی رائے پر عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔(امام نوویؒ، المجموع)

روزمرہ معاملات سے متعلق طبی رائے

○**مرض الموت**: فقہا کے نزدیک اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیوں کہ ایسی حالت میں بہت سے شرعی معاملات پیش نظر ہوتے ہیں، جن کا طبیب سے براہ راست واسطہ نہیں بھی ہوتا، اس لیے مرض الموت کو پہچاننے پر اچھا خاصا زور دیا گیا ہے۔

اس بارے میں احناف اور شوافع کہتے ہیں کہ موت کے واقع ہونے کا گمان غالب ہو جائے۔ حنابلہ: وہ مرض جو موت سے متصل ہو اور جس سے موت کا واقع ہونا یقینی ہو۔ مالکیہ: وہ مرض جس کے بارے میں اہلِ طب کی رائے ہو کہ اس سے موت واقع ہو سکتی ہے اگرچہ غالب گمان یہ نہ ہو۔

یہاں مالکیہ کی تعبیر خصوصی دل چسپی کی حامل ہے کہ اس حالت میں طبیب کی رائے ہی اہم ہے، نہ کہ لوگوں کا غالب گمان۔

○**عقدِ زواج کے بعد خلوتِ فاسدہ**: اگر یہ بات ثابت کر دی جائے کہ خلوت فاسد تھی تو اس کے بہت سے دُوررس اثرات و نتائج ہوتے ہیں، مثلاً مہر، عدت وغیرہ کے معاملات۔ اس معاملے میں بھی طبیب کی رائے ضروری ہو جاتی ہے۔

○**زوجین میں موجب تفریق امراض**: جمہور فقہا کے نزدیک زوجین میں سے ہر دو کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مندرجہ بالا صورت حال میں تفریق یا علیحدگی طلب کریں۔ اس معاملے میں بھی جج جس رائے پر تفریق کا حکم دے گا وہ طبیب کی رائے ہی ہوگی۔ جدید دور میں بالخصوص متعدی امراض جن کا ابھی تک قابلِ بھروسہ علاج موجود نہیں مثلاً ایڈز، اس پہلو سے قابلِ غور ہو سکتے ہیں۔

○**اسقاط حمل**: فرمانِ خداوندی ہے:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الفرقان ٢٥:٦٨)

اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔

فقہا کا اتفاق ہے کہ قرارِ حمل کے چار ماہ بعد بلا عذر اسقاط حرام ہے' یہ موجب غرہ یعنی پانچ فی صد دیت کا سبب ہے۔ البتہ اس مدت سے پہلے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اجازت دیتے ہیں' بعض کے نزدیک مکروہ اور بعض اسے حرام کہتے ہیں۔ اس معاملے میں امام غزالیؒ کا اصول قابلِ ترجیح ہے کہ اسقاط پہلے دن سے حرام ہے' جس طرح زندہ بچی کا دفن کرنا' جب کہ ماں کی زندگی کو یقینی خطرہ ہو اور بچے میں زندگی کے آثار ہوں' تب بھی اسقاط ہوسکتا ہے۔ (الکمال بن الھمام شرح فتح القدیر۔ ابو محمد' ابن حزمؒ، ابوحامد الغزالیؒ، احیاء العلوم)

○ **میت سے زندہ بچے یا قیمتی اشیا کا نکالنا**: ابن عابدینؒ اپنے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ اگر خاتون کا انتقال ہوجائے اور بچہ زندہ متحرک ہو تو اسے نکالنا چاہیے۔ (ردالمختار)

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اگر حاملہ خاتون کا انتقال ہوجائے اور بچہ زندہ ہو تو میت کے پیٹ کو شق کرنا چاہیے' کیونکہ اس سے ایک زندگی کی بقا منسلک ہے (المجموع)۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بچہ چھے مہینے یا زیادہ مدت کا ہو۔ یہاں یہ بھی رائے موجود ہے کہ اگر میت نے ہیرا نگل لیا ہو اور اس کا مالک طلب کرے تو بھی پیٹ سے ہیرا نکال کر اس کے مالک کو لوٹایا جائے گا۔

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ اگر غالب گمان یہ ہو کہ پیٹ میں بچہ زندہ ہے تو مردہ ماں کے پیٹ کو شق کیا جائے گا کہ اس میں میت کے ایک جز کے اتلاف کے باوجود ایک زندگی کی بقا ہے۔ اسی طرح مال بھی پیٹ شق کر کے نکالا جاسکتا ہے کیونکہ زندوں کے حقوق کو اولیت حاصل ہے (المغنی)۔

ابن حزمؒ الظاہری کہتے ہیں کہ حاملہ ماں کا انتقال ہوگیا ہو' جب کہ بچہ چھے ماہ سے زیادہ مدت کا زندہ اور متحرک ہو تو پیٹ شق کر کے بچہ نکال لیا جائے گا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط (المائدہ ۵:۳۲) ''اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی''۔ (المحلی)

ان میں اصولوں کی بنیاد پر بعض جدید ماہرین' تعلیمی اور قانونی ضرورتوں' مثلاً اسباب موت کے تعین کے لیے میت کی چیر پھاڑ (dissection of dead bodies) کی اجازت کے قائل ہیں۔ یہ موضوع خود بڑی طویل بحث کی گنجایش رکھتا ہے۔ بالخصوص' جب کہ مکمل اعضا والے مصنوعی انسانی جسم کم از کم تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہ آسانی دستیاب بھی ہیں۔

○ **نجس اور حرام چیزوں سے علاج**: اس بارے میں فقہا کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہیں۔ اسی لیے یہاں طبیب کے کردار اور فقہی معاملات سے' اُس کی واقفیت کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔ اس بارے میں

فقہا کی مجموعی رائے تین قسم کی ہے۔

○ **عدم جواز:** جمہور فقہا کی رائے میں' شراب اور دوسری ناپاک اور حرام چیزوں سے علاج مطلقاً ممنوع ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ طارق بن سوید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا جو دوا کے طور پر بنائی جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: شراب دوا یا علاج نہیں بلکہ مرض ہے (مسلم)۔ اللہ نے جو تم پر حرام کردیا' اس میں تمھارے لیے شفا نہیں ہے۔ (الشوکانی، نیل الاوطار)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے (ہی) امراض اور دوا اتارے ہیں اور ہر مرض کی دوا ہے' لہٰذا علاج کرو مگر حرام چیزوں سے علاج نہ کرو۔ (ابوداؤد)

○ **جواز:** شافعیہ کے ہاں ناپاک چیزوں سے علاج کی اجازت دی گئی ہے سوائے منشیات کے' بشرطیکہ ان نجس اشیا کو ان کی خالص شکل میں استعمال نہ کیا جائے بلکہ دوسری اشیا کے ساتھ ملا کر استعمال کیا گیا ہو۔ دلیل اس کی فرمانِ الٰہی ہے: اِلَّا مَا اضۡطُرِرۡتُمۡ اِلَیۡهِ (الانعام ۶:۱۱۹) ''اور اضطرار میں کوئی چیز حرام نہیں رہتی''۔ مزید یہ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام چیزوں سے علاج کو مباح کردیا تھا۔ (بخاری)

○ **حرام اشیا سے علاج کا جواز' بشرطیکہ شفا یقینی ہو:** اس صورت میں' جب کہ اس چیز کے بجائے پاک و طاہر دوا موجود نہ ہو اور دوسری بات یہ کہ مسلمان طبیب کی پیشہ وارانہ رائے بھی یہی ہو۔ احناف' مالکیہ اور شوافع میں سے بعض فقہا کا میلان اسی طرف ہے۔ جیسا کہ عبادات و امور دینی کے متعلق رائے قبول کرنے کے لیے' طبیب میں کچھ بنیادی خصوصیات ضروری قرار دی گئی تھیں اسی طرح معاملات ذیل میں کچھ خصوصیات کا طبیب میں ہونا ضروری ہے۔

جہاں جہاں امور دینی شامل ہو جائیں بالخصوص عبادات' تو وہاں غیر مسلم طبیب کی رائے قبول کرنا ناجائز ہے۔ (امام نوویؒ)

ائمہ احناف ہر ایسے مسلمان طبیب کی رائے کو قبول کرتے ہیں جو ظاہراً غیر فاسق ہو۔ (ابن عابدین' رد المحتار' علی الدر المختار)

مالکیہ ایسے غیر مسلم طبیب کی رائے پر بھی اعتماد کے قائل ہیں جو امور دین سے واقف ہو۔ اگرچہ کہ واحد خاتون طبیب ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ یہاں معاملہ واقعے کا ہے نہ کہ گواہی کا (النووی، المجموع' ابن قدامہ' المغنی)۔ جہاں تک معاملہ امور دینی سے غیر متعلقہ معاملات کا ہو تو وہاں جمہور فقہا غیر مسلم طبیب سے مدد و علاج کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں: میں جب بیمار پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری

عیادت فرمائی' اپنا دستِ مبارک میرے سینے کی درمیانی ہڈی پر رکھا' یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی اور فرمایا: تمھیں سینے/ دل کا مرض ہے۔ حارث بن کلدہ سے رجوع کرو کیونکہ وہ علاج معالجہ کرنے والا آدمی ہے (جب کہ حارث بن کلدہ کافر تھے)۔(ابوداؤد)

ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت میں' راستہ بتانے کے لیے ایک غیر مسلم عبداللہ بن اریقط کی خدمات مستعار لی تھیں۔ یہ ایک ثبوت ہے کہ کافر سے بھی طب' دواؤں' حساب کتاب وغیرہ کے سلسلے میں رجوع کیا جاسکتا ہے۔

یہ لازمی نہیں ہے کہ اعتقاداً جو شخص کافر ہو اس کی کسی بھی بات کا بھروسا ہی نہیں ہوسکتا' اگر ایسا ہوتا تو سفرِ ہجرت میں راستہ بتانے کے کام سے زیادہ حساس اور کیا معاملہ ہوسکتا ہے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ غیر مسلم اسپیشلسٹ طبیب سے علاج کروانا ٹھیک ہے کیونکہ طبی معاملات میں اس کی واقفیت اور تجربہ قابلِ اعتماد ہے اور یہ جائز ہے۔

انھی اصول وقواعد کی بنیاد پر نئے مسائل ومعاملات کے لیے حسبِ ضرورت قانون سازی جاری رہتی ہے' مثلاً: ملازمتوں کے دوران ملازمین کے ہونے والے نقصانات کا اندازہ اور طبی بنیادوں پر ان معاوضوں کی ادایگی کا مشورہ' مختلف حوادث میں ہونے والے نقصان کا اندازہ اور پھر دیت کی ادایگی' دورانِ کام ہونے والے صحت کے نقصانات' مثلاً کارخانوں کے شور' یا گرگرونڈوں کی تربیت کے دوران مسلسل فائرنگ کے شور سے ضعفِ سماعت' کیمیائی کارخانوں وغیرہ میں کام سے سینے کے امراض' یا لیبارٹریوں کے ملازمین کا ایڈز اور اس جیسے امراض کے علاج معالجے کے نتیجے میں' ان امراض میں مبتلا ہونے کے خطرے کا ازالہ اور واقعتاً امراض میں مبتلا ہوجانے کی صورت میں معاوضے کا اندازہ' یہ سب صورتیں طبی قانون کے نظام (medical jurisprudence) کا ہی حصہ ہیں۔

طبیب کی جواب دہی

دوسرے تمام لوگوں کی طرح' اطبا بھی اپنے کام اور ذمہ داری کے سلسلے میں جواب دہ ہیں۔ یہ ذمہ داری دو قسم کی ہوتی ہے: ۱-معاہداتی ۲-قانونی یا فوجداری

○ **معاہداتی جواب دہی**: فقہا نے اس بارے میں اس قسم کے معاہدے کو تو جائز ہی کہا ہے کہ علاج کے لیے طبیب سے معاہدہ ہو' مگر اس میں ایک مدت معینہ میں مرض سے شفا کی شرط بھی شامل ہو' اس بارے میں اتفاق نہیں۔ حنابلہ میں سے قاضی ابویعلی اس کے قائل نہیں ہیں کیونکہ بیماری سے شفا کا وقت نامعلوم ہوتا ہے' البتہ جمہور فقہا اس کے قائل ہیں کیونکہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ایک قبیلے کے سردار کے علاج کا معاوضہ لینا اس

شرط کے ساتھ ہی منظور کیا تھا کہ شفا ہو گی تب' اور یہ بات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی لائی گئی تھی اور آپؐ نے اسے غلط نہیں کہا تھا۔

○ **قانونی یا فوجداری جواب دہی**: اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مندرجہ ذیل شرائط پوری ہو رہی ہوں تو چاہے نتیجہ نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو' طبیب پر اس کی کوئی جواب دہی نہیں ہے:

۱- طبیب تعلیمی ادارے سے باقاعدہ تربیت یافتہ اور اپنے فن سے واقف و ماہر ہو۔

۲- اس کی نیت مریض کو شفا پہنچانا ہو' نقصان پہنچانے کی نہ ہو۔

۳- اپنے پیشے کے اصول کار کے مطابق کام کرے۔

۴- مریض یا اس کے ولی کی اجازت حاصل ہو۔ (ابن عابدین رد المختار ۲ الدرزیر' شرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی' ابن قدامہ' المغنی)

اگر یہ شرائط پوری ہو گئی ہوں' ضروری طریقے اور اسباب بھی اختیار کر لیے گئے ہوں' کام پیشہ ورانہ اصول و قواعد کے مطابق اور پوری ذمہ داری سے کیا گیا ہو تو پھر اگر نتائج بالکل مختلف ہی کیوں نہ نکلیں' طبیب پر نہ کوئی گناہ ہے نہ کوئی سزا۔

اجازت کا معاملہ دو مختلف پہلو رکھتا ہے۔ سب سے پہلے یہ اجازت متعلقہ ادارے اور محکمے سے لینی چاہیے جو اس جدید دور میں ''اولی الامر'' کی اجازت کے قائم مقام ہے' اور دوسری جانب ہر مریض یا اس کے ولی سے انفرادی سطح پر بھی ضروری ہے۔ البتہ اس دوسری قسم کی اجازت کے بارے میں حسب ضرورت استثنا ہو سکتا ہے۔

ابن القیمؒ اس بارے میں کہتے ہیں کہ ایمرجنسی میں مریض یا اس کے ولی کی رضامندی سے اس لیے استثنا ہے کہ مریض کے ہوش و حواس معطل اور اس کا ولی غیر موجود ہو سکتا ہے' جب کہ جان بچانے کے لیے فوری علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں رضامندی یا اجازت سے استثنا مصلحت کا تقاضا ہے۔ (زاد المعاد)

شدید اور بڑی غلطیوں کی جواب دہی

اگر کسی طبیب سے ایسی غلطی سرزد ہو جائے' جو لاپروائی یا دانستہ طور پر نہ ہوئی ہو اور ایسی ہی غلطی کسی بھی دوسرے ہم پیشہ سے ہوئی ہو یا ہوتی ہو' تو ایسی صورت میں اسے جواب دہ اور ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ البتہ شدید اور بڑی غلطیوں کے لیے طبیب کو ضامن و جواب دہ ٹھہرایا جائے گا۔ پھر بھی یہ خیال رہے کہ شفا نہ ہونے پر طبیب کا مؤاخذہ نہیں کیا جا سکتا۔

طبیبِ جاہل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ یُعْلَمْ مِنْہُ طِبٌّ فَھُوَ ضَامِنٌ (ابوداؤد)

جو آدمی تجربے کے بغیر طبیب بن بیٹھا وہ (نقصان کی صورت میں) جواب دہ ہوگا۔

لہٰذا طب سے ناواقف شخص کے لیے لوگوں کا علاج معالجہ کرنا ناجائز ہے اور ہر ایسا شخص جو متعلقہ اداروں سے باقاعدہ سند یا اجازت یافتہ نہ ہو اور پھر بھی خود کو طبیب کہے اور (لوگوں کا علاج/ جراحت کرے) تو نقصان کی صورت میں وہ جواب دہ ہے' اور اس کے علاج کے نتیجے میں اگر موت واقع ہو جائے یا کوئی عضو ضائع ہو جائے تو وہ دیت کی ادایگی یا معاوضے کی ادایگی کا پابند ہوگا اور اسے طب کی پریکٹس سے قانوناً روک دیا جائے گا۔(ابن الاخوہ' معالم القربہ فی احکام الحسبہ)

شریعتِ اسلامی کی روشنی میں طبی اخلاق وقوانین کے بارے میں یہ چند تمہیدی باتیں ہیں' امید ہے کہ علما اور ماہرین طب اس موضوع پر کماحقہ توجہ دیں گے۔(ماخوذ: ارشادات للطبیب المسلم' مستشفٰی قنفذہ' سعودیہ)

---

o جنرل فزیشن' ابہا' سعودی عرب